4:42
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

محاسنِ خطوطِ غالب

مکتوب نگاری غالب کے مزاج کا جزو لاینفک معلوم ہوتی ہے جس کی اہمیت کا اظہار ان کے کلام میں بھی جا بجا ہوا ہے:

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر، ستم زدہ ہوں، ذوقِ خامہ فرسا کا

یہ ''ذوقِ خامہ فرسائی'' خطوطِ غالب کی فنی قدر و قیمت کا جائزہ لینے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ بایں ہمہ غالب نے جب اردو میں خط نگاری کا سلسلہ شروع کیا تو ابتدا میں کسی ادبی تخلیق یا نادر تحریر کا خیال ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ سیدھی سادی اردو نثر کے بارے میں ان کے ذہن میں یہ خیال آ بھی کیسے سکتا تھا۔ انھیں تو ایک عرصے تک اپنے فارسی کلام کے مقابلے میں اردو کلام کی عظمت سے بھی انکار ہی رہا:

فارسی بیں تا ببینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

پھر ایک ایسے زمانے میں جب علما و فضلا اپنی نثری تحریریں ابھی فارسی ہی میں لکھ رہے تھے، غالب اپنی ''سادا'' اردو تحریریں کیونکر ادبی دنیا کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔ بہرحال زمانے کا فیصلہ

(۱) خطوطِ غالب کی طباعت کا سوال سب سے پہلے نومبر ۱۸۵۸ء میں منشی ہرگوپال تفتہ اور شیونرائن آرام نے غالباً آپس میں صلاح مشورہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Scanned with CamScanner

غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

زیادہ قوی اور اٹل ہوتا ہے ۔ غالب کا اُردو کلام اور اس سے بھی زیادہ ان کے اردو خطوط اپنے گونا گوں فکری و فنی محاسن کی بدولت ادب میں ایک بلند مقام حاصل کر چکے ہیں ۔ غالب کو یہ مقام فطری صلاحیتوں کے علاوہ فنی ارتقاء کی چند منزلیں طے کرکے حاصل ہوا ۔

غالب ایک جدت پسند فنکار تھے ۔ یہ انا کا شدید احساس اور جدت پسندی کا تقاضا ہی تھا جو انھیں تقلید سے اجتہاد کی طرف لے آیا اور پھر وہ فکر و فن کی ان اچھوتی فضاؤں تک پہنچے جہاں عظیم ادب کی تخلیق ہوتی ہے ۔ غالب نے شعر و سخن کا آغاز متاخر شعرائے فارسی مرزا عبدالقادر بیدل ، مرزا جلال اسیر ، شوکت بخاری وغیرہ کی پیروی میں کیا ۔ انھوں نے طرز بیدل کی پیروی کا اعتراف ایک مقطعے میں یوں کیا ہے :

کر کے اٹھایا ۔ غالب نے اجازت طلبی پر جو سخت رویہ اختیار کیا ، اس سے مذکورہ بالا بیان کی بہ خوبی تائید ہوتی ہے ۔ چنانچہ ان عزیزوں کے خطوط کے جواب میں لکھتے ہیں :

"رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے ۔ لڑکوں کی سی ضد نہ کرو ، اور اگر تمھاری خوشی اسی میں ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو ، تم کو اختیار ہے ۔ یہ امر میرے خلاف رائے ہے ۔"

(خط بنام ہرگوپال تفتہ ، محررہ شنبہ ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ع)

"اُردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں ، یہ بھی زائد بات ہے ۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا ، ورنہ صرف تحریر سرسری ہے ۔ اس کی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے ۔ اس سے قطع نظر ، کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں ۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا جانا میرے خلاف طبع ہے ۔"

(خط بنام شیو نرائن آرام ، محررہ پنج شنبہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ع)

45
231
Scanned with CamScanner

4:42
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا   اسد اللہ خاں قیامت ہے

تقلید کی اس راہ پر کچھ عرصہ گام زن رہنے کے بعد وہ اس سے آزادی حاصل کر لیتے ہیں جس کا اعتراف وہ اپنے ایک خط میں اس طرح کرتے ہیں:

"پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یک قلم چاک کیے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دیے۔"

(خط بنام عبدالرزاق شاکر، خطوط غالب، مرتبہ مولانا مہر، طبع لاہور ۱۹۶۲ء، صفحہ ۵۰۰)

مشق سخن کی ابتدائی منزلیں بڑی کٹھن اور صبر آزما تھیں۔ بعض معاصرین انھیں مہمل گو قرار دے رہے تھے، اور وہ بڑی شان استغنا سے اس قسم کے حملوں کو رد کر رہے تھے:

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

لیکن غالب اگر ایک طرف رومانی مزاج کے حامل تھے تو دوسری طرف ایک حقیقت پسند ذہن بھی رکھتے تھے۔ ان کی معاملہ شناسی اور حالات سے مفاہمت و مطابقت پیدا کرکے زندگی کو خوشگوار بنانے کا ثبوت اکثر خطوط سے ملتا ہے۔ اس معاملے میں بھی انھیں اپنی پچھلی روش ترک کرکے فنی تقاضوں کا پاس کرنا پڑا۔ اور پھر معنوی عظمت اور شوکت لفظی کے حسین امتزاج سے لے کر سادا و سہل ممتنع انداز تک، انھوں نے فن شعر کا وہ "تاج محل" بنا کر پیش کیا کہ جس کی عظمت و رفعت کا اعتراف ہم عصروں نے بھی کیا، اور آنے والے زمانے کی گرویدگی تو مسلّم ہے۔

46
231
Scanned with CamScanner

4:42
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

غالب کو اپنی فارسی دانی پر اس حد تک تبختر تھا کہ وہ اپنے پیش رو برعظیم کے فارسی دانوں میں ماسوا امیر خسرو اور کسی حد تک فیضی کے کسی کو درخور اعتنا خیال نہ کرتے تھے ۔ یہی باعث تھا کہ وہ اپنے فارسی کلام کے مقابلے میں اردو کلام کو "بے رنگ من است" کہتے رہے ۔ لیکن آخر انھیں اپنے اس رویے میں بھی لچک پیدا کرنی پڑی ۔ اردو خطوط کے بارے میں کچھ اس سے بھی زیادہ نازک معاملہ پیش آیا ۔ برعظیم میں اسلامی عہد میں علما کی زبان فارسی رہی اور غالب کے زمانے تک ' اردو کے پھیلاؤ کے باوصف ' علما اپنی نگارشات کے لیے فارسی ہی کا سہارا لے رہے تھے ۔ پھر غالب جیسے ذہن و فکر کا آدمی کیونکر یہ روش خاص چھوڑ کر سیدھی سادی اور عوامی زبان کو منہ لگا سکتا تھا ۔ ایک عرصے تک وہ فارسی ہی میں مکتوب نگاری کرتے رہے اور اس زبان میں انشا پردازی کے جوہر دکھاتے رہے ۔ پھر قدرتی طور پر ایک وقت ایسا آیا جب قویٰ جواب دینے لگے اور فرصت زندگی کم نظر آنے لگی ۔ محنت مشقت کا وہ یارا نہ رہا جو فارسی تحریروں کو عالمانہ شان سے پیش کر سکے ۔ اس لیے ضرورت نے سیدھی سادی روزمرہ اردو اختیار کرنے پر مجبور کیا ۔ غالب نے ایک حقیقت شناس اور معاملہ فہم انسان کی طرح اس تبدیلی سے بھی سمجھوتہ کر لیا ۔ پھر جو روش مجبوری کے تحت اختیار کی گئی تھی ' جب اسی میں غالب کی جدت پسند ادبی شخصیت کا بے ساختہ اظہار ہونے لگا اور اس کی حسن و خوبی آشکار ہوئی ' تو آخر عمر میں ' جب شعری تخلیق کے سوتے خشک ہو چکے تھے ' یہی روش ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کا سرچشمہ بن گئی ۔ اس طرح شاعری کے علاوہ اردو نثر میں بھی غالب کی عظمت فن کا ایک اور

47
231
Scanned with CamScanner

4:42
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

روشن مینار تعمیر ہوا۔

غالب کے جو خطوط اس وقت تک سامنے آئے ہیں ان کے مطابق ان کی اردو خطوط نویسی کا آغاز مارچ ۱۸۴۸ء میں ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ فارسی خطوط نویسی میں کمی اور اردو خطوط میں اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۸۶۱ء میں (خاتمہ پنج آہنگ کی تحریر سے دو سال قبل) فارسی میں خطوط لکھنے ترک کر دے گئے۔ بعض لوگ فارسی میں خط لکھنے کا تقاضا کرتے تھے تو غالب معذرت کے ساتھ اردو میں خطوط نویسی کی وجوہ بتا دیتے تھے۔ مولوی نعمان احمد کے نام ایک خط (محررہ ۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء) میں لکھتے ہیں:

> "برسوں سے خطوط فارسی لکھنے چھوڑ دیے۔ اب شہزادہ بشیرالدین نبیرۂ ٹیپو سلطان مغفور کے سوا کسی کو فارسی خط نہیں لکھتا اور یہ موافق اُن کے حکم کے ہے اور وہ مطاع ہیں اور میں مطیع۔"
> [خطوط غالب، مرتبہ مولانا مہر، صفحہ ۶۵۱]

غالب کی اردو خطوط نویسی کی ابتدا کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئی ہیں۔ مولانا حالی نے قلعۂ معلّٰی کے تعلق (۱۸۵۰ء) اور مصروفیات کو وجہ قرار دیا ہے۔ لیکن ۱۸۴۸ء کے اردو خطوط اس موقف کی تردید کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس امر میں خود غالب کے بیانات زیادہ قابل لحاظ ہیں۔ ان بیانات سے اردو خطوط نویسی کی ابتدا کے علاوہ فارسی میں اظہار کی دقتوں اور اردو میں اظہار کی سہولتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور پھر جب یہ باتیں غالب جیسا فارسی پر ناز کرنے والا شخص کہتا ہے تو اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اکتسابی زبان بہ ہرحال اکتسابی ہی ہوتی ہے۔ اس میں انسان خواہ کتنی ہی مہارت بہم پہنچا لے، اسے فطری اور بلا تکلف طریق اظہار کا درجہ مشکل

48
231
Scanned with CamScanner

4:42
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ غالب کے وہ خطوط جن میں انھوں نے فارسی خطوط لکھنے کے بارے میں معذوری کا اظہار اور پھر اس کی وجوہ بیان کی ہیں، اس مسئلے کو بہ خوبی حل کر دیتے ہیں۔ عمر کی ایک خاص منزل پر پہنچ کر ضعف و ناتوانی کا احساس اور فارسی میں انشا پردازی کا معیار قائم رکھنے کے لیے بہ تکلف عبارت آرائی اور اس کے لیے محنت پژوہی و جگر کاوی، یہ وہ بنیادی اسباب تھے جو غالب کو سادا اردو خطوط نویسی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

''افسوس کہ میرا حال اور یہ لیل و نہار، آپ کی نظر میں نہیں، ورنہ آپ جانیں کہ اس بجھے ہوئے دل اور اس ٹوٹے ہوئے دل اور اس مرے ہوئے دل پر کیا کر رہا ہوں۔ نواب صاحب، اب نہ دل میں وہ طاقت، نہ قلم میں زور۔ سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے، بے تامل اور بے فکر جو خیال میں آ جائے وہ لکھ لوں، ورنہ فکر کی صعوبت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔''

[خط بنام انور الدولہ شفق، خطوط غالب، صفحہ ۳۶۲]

''بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے۔ اب جسم و جاں میں تاب و تواں نہیں۔ نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف۔ اُردو، سو اس میں عبارت آرائی متروک۔ جو زبان پر آوے، وہ قلم سے نکلے۔ پانو رکاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر، کیا لکھوں اور کیا کہوں؟''

[خط بنام میر غلام حسنین قدر بلگرامی، نگاشتہ بست و سوم فروری ۱۸۵۷ء]

''بندہ نواز، فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ

49
231
Scanned with CamScanner

4:42
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

میں نہیں رہی - حرارتِ غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے :

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں، سب کو، جن سے خط و کتابت رہتی ہے، اُردو ہی میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں - جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے ہیں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے، اُن میں جو صاحب الی الآن ذی حیات و موجود ہیں، اُن سے بھی عندالضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے - پارسی مکتوبوں، رسالوں، نسخوں اور کتابوں کے مجموع شیرازہ بستہ، چھاپا ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے - حال کی نثروں کو کون فراہم کرنے جائے؟ جان کنی کے خیالات نے مجھ کو ان کی تحریر و تعلق و بار سے دست بردار و سبک دوش کر دیا - جو نثریں کہ مجموع و یک جا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں اور آنندہ ہوں، انھیں کو جناب احدیث جلت عظمۃ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبائع ارباب فن فرمائے اور میں اب انتہائے عمر نا پائدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور بہجوم امراض جسانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں - کچھ یاد خدا بھی چاہیے - نظم و نثر کے قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا - اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہے گا - پس اُمیدوار ہوں کہ آپ انھیں نذور محقرہ یعنی تحریرات روز مرہ اُردوے سادہ و سرسری کو تا امکان غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں اور درویش دلریش و فرو ماندۂ کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں - اللہ بس ماسویٰ ہوس - ۱۲"

[خط بنام عبدالرزاق شاکر، خطوط غالب، صفحہ ۵۳۷]

50
231
Scanned with CamScanner

4:43
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

غالب نے کاروباری اور معاملاتی ضرورتوں کے تحت اردو میں خطوط لکھنے شروع کیے اور سادگی سے مطلب نویسی پر مدار رکھا۔ رفتہ رفتہ ان خطوط میں، جو خاص احباب اور شاگردوں کو لکھے گئے، جذباتی عنصر اظہار و بیان کے حسین نقوش بنانے لگا۔ واقعۂ انقلاب (۱۸۵۷ء) سے پہلے غالب کے خطوط میں کاروباری معاملات کے علاوہ علمی مسائل اور ادبی خیالات کے اظہار نے اسلوب میں گونا گوں کیفیات پیدا کرنی شروع کر دی تھیں[1]۔ لیکن واقعۂ انقلاب کے بعد ان کے اردو خطوط میں ادبی لحاظ سے ایک عظیم تغیر پیدا ہوا، جس کے کچھ نفسیاتی محرکات تھے۔

واقعۂ انقلاب ایک ایسا حادثۂ عظیم تھا جس نے ملک کی اجتماعی زندگی کو بری طرح متاثر کیا۔ انقلاب کے اسباب، واقعات اور اثرات تو تاریخ کا اہم حصہ ہیں لیکن غالب کی ذات پر اس کے جو اثرات پڑے وہ ادبی لحاظ سے بڑے دور رس نتائج کے حامل تھے۔ غالب بقول حالی ایک حیوان ظریف تھے۔ اس نوع کا انسان مجلسی زندگی کا دلدادہ ہوتا ہے۔ غالب بھی ایک مجلس پسند انسان تھے۔ وہ کثیر الاحباب تھے۔ واقعۂ انقلاب نے اس مجلسی زندگی کو درہم برہم کر دیا۔ انگریزوں نے سقوط دہلی کے بعد مسلمانوں

(۱) مثلاً منشی ہرگوپال تفتہ کے نام غالب کے مندرجہ ذیل خطوط (بحوالہ خطوط غالب، از مہر) قابل ذکر ہیں: نشان ۴ (جنوری ۱۸۵۲ء) نشان ۷ (جون ۱۸۵۲ء)، نشان ۸ (۱۰ دسمبر ۱۸۵۲ء)، نشان ۱۳، نشان ۱۶، نشان ۱۸ (۲۱ اگست ۱۸۵۳ء)، نشان ۲۵ (۲ مارچ ۱۸۵۴ء)۔

51
231
Scanned with CamScanner

4:43
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

کو خاص طور پر نشانۂ انتقام بنایا اور انھیں شہر سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا،¹ اور پھر ایک عرصے تک انھیں شہر بدر رکھا گیا۔ غالب اس ابتلائے عام سے محفوظ اور دلی میں مقیم

---

(۱) غالب کے بعض خطوط میں ان واقعات کے بارے میں اشارے ملتے ہیں۔

"--یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا، اس کا جواب مجھ کو آیا اور ایک خط تمھارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہر گوپال اور متخلص بہ تفتہ ہو، آج آیا اور میں جس شہر میں ہوں اس کا نام بھی دلی اور اس محلے کا نام بلی ماروں کا محلہ ہے، لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ، اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔"

[خط بنام تفتہ، ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء، خطوط غالب، صفحہ ۱۵۲]

"مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا، ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔"

[خط بنام تفتہ، ۵ مارچ ۱۸۵۸ء، خطوط غالب، صفحہ ۱۵۴]

"یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے بقدر مقدور نذرانہ دے۔"

[خط بنام میر مہدی مجروح، ۲ فروری ۱۸۵۹ء، خطوط غالب، صفحہ ۲۸۱]

"اے میری جان! یہ وہ دلی نہیں، جس میں تم پیدا ہوئے ہو۔ وہ دلی نہیں جس میں تم نے علم تحصیل کیا۔ وہ دلی نہیں جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ وہ دلی نہیں جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ ایک کمپ ہے۔ مسلمان، اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ، باقی سراسر ہنود۔"

[خط بنام علاؤ الدین علائی، ۱۶ فروری ۱۸۶۲ء]

52
231
Scanned with CamScanner

4:43
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

رہے۔' لیکن ان کے عزیز احباب ان سے بچھڑ گئے۔ غالب کے لیے یہ ایک طرح کی قید تنہائی تھی جس کا ان کے قلب و ذہن پر بڑا شدید اثر ہوا، اور وہ اس عالم تنہائی میں بڑی گھٹن اور بے بسی محسوس کرنے لگے۔ تنہائی کے اس تلخ احساس کو دور کرنے کے لیے انھوں نے خطوط کا سہارا لیا۔ ڈاک کا انتظام معقول تھا جس سے ان کے اس رجحان کو تقویت ہوئی۔ اس طرح غالب کی اردو خطوط نویسی کو ایک نئی فضا ملی۔ اگر پہلے یہ خط زیادہ تر کاروبار دنیوی اور معاملات ضروری کی خاطر لکھے جاتے تھے، تو اب یہ خط کاروبار شوق اور تسکین دل کے لیے لکھے جانے لگے، اور خطوط نگاری کے ذریعے اُس مجلسی خلا کو پر کیا جانے لگا جو واقعہ انقلاب سے پیدا ہوا تھا۔ اس لیے اب غالب کے خطوط محض نامہ نگاری کا وسیلہ نہیں رہے تھے بلکہ مجلس آرائی کا ذریعہ بن گئے تھے۔ تنہائی کی خاموش فضا میں احباب سے ملاقاتیں ہونے لگیں۔۲ یہ ملاقاتیں جسم و روح کی نہ سہی، لیکن

---

(۱) غالب نے تفتہ کے نام ایک خط میں اس کی تفصیل بتائی ہے:
''اب پوچھو تو کیوں کر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا؟ صاحب بندہ، میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا دیوار بہ دیوار ہیں گھر حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں راجا نرندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجا صاحب نے صاحبان عالی شان سے عہد لیا تھا کہ بر وقت غارت دہلی یہ لوگ بچے رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجا کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں؟''
[خطوط غالب، از مہر، صفحہ ۱۵۲]

(۲) ''انصاف کرو، کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

53
231
Scanned with CamScanner

4:43
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

اس سے کچھ کم بھی نہ تھیں ۔ ان ملاقاتوں نے خطوط غالب میں وہ ادبی محاسن پیدا کیے جن کی بدولت غالب کا ادبی مقام (خطوط کے آئینے میں) نہ صرف اردو ادبیات میں بلکہ عالمی ادبیات میں بہت اونچا نظر آتا ہے ۔

مجلسی فضا میں بے تکلف احباب کی جو غیر رسمی ملاقاتیں شب و روز ہوتی ہیں، وہ انسانی زندگی کی متاع عزیز ہیں ۔ ان ملاقاتوں

ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں ۔"
[خطوط غالب، مرتبہ مہر، صفحہ ۱۵۹]

"دو ایک دن کے بعد جب جی باتیں کرنے کو چاہے گا، تب آں کو خط لکھوں گا ۔" [خطوط غالب، صفحہ ۱۶۰]

"بھائی، مجھ میں تم میں نامہ نگاری کاہے کو ہے، مکالمہ ہے ۔"
[ایضاً، صفحہ ۱۷۱]

"تم سمجھے؟ میں تمھارے، منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو تمھارا اور ان کا آنا سمجھتا ہوں ۔ تحریر گو یا وہ مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے ۔"
[ایضاً، صفحہ ۱۷۴]

"میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں ۔ یعنی جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا "
[ایضاً، صفحہ ۱۷۹]

"مرزا صاحب، میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنادیا ہے ۔ ہزار کوس سے بہ زبان قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو ۔" [ایضاً، صفحہ ۲۲۷]

"بھائی، مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے کہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت و مکالمت ہو گئی ہے ۔ روز باتیں کرتے ہیں ۔"
[ایضاً، صفحہ ۲۷۰]

54
231
Scanned with CamScanner

4:43
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

میں احوال دل سے لے کر کوائف روزگار تک ہر موضوع پر باتیں ہوتی ہیں ۔ اپنی کہی جاتی ہے ، دوسرے کی سنی جاتی ہے ۔ اس طرح دل کا بوجھ بہت حد تک ہلکا ہو جاتا ہے ۔ آلامِ روزگار کو سہنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے ۔ پھر انسان کی زندگی پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ اپنی عمر رفتہ کے بیتے ہوئے لمحوں پر نظر ڈالتا ہے تو ایک خواب و خیال کی طرح رُوداد حیات کی مختلف کڑیاں نظروں کے سامنے آنے لگتی ہیں ۔ اُس وقت انسان میں اپنی زندگی کے مشاہدوں اور تجربوں کو دوسروں تک منتقل کرنے کی فطری خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ آپ بیتی یا خود نوشت سوانح عمری لکھنے کا رجحان بھی عام طور پر اُس دور میں پیدا ہوتا ہے جب انسان شباب و شیب کی وادیوں سے گزر کر کہولت کی منزل میں قدم رکھتا ہے ۔ آپ بیتی سنانے کی یہ فطری خواہش مجلسی ماحول ہی میں پوری ہو سکتی ہے ۔ غالب کی اُردو خطوط نویسی کا سلسلہ بھی زندگی کے اسی مرحلے میں شروع ہوا ۔ واقعۂ انقلاب کے بعد انھوں نے مجلسی ماحول سے محرومی کا مداوا خطوط سے کیا ۔ ان محرکات نے اُن کے خطوط میں مراسلہ نگاری اور مکالمہ نگاری کے فاصلوں کو ختم کر دیا ۔ وہ اپنے خطوط میں جو فضا قائم کرتے ہیں، اُس میں وہی کیفیات ملتی ہیں جو اس قسم کی شبانہ محفلوں میں عام طور پر ہوتی ہیں ۔ خبریں سنانا ، خبروں پر تبصرے، باتیں کرنا ، مکالمے، شکوے شکائتیں، ماحول کی مرقع کشی، زندہ دلی کی فضا پیدا کرنے کے لیے لطیفے اور بذلہ سنجی، زندگی کی آرزوؤں اور تمناؤں کا اظہار، آرزوؤں کی شکست و ریخت سے پیدا ہونے والے غم سے خود نباہ کرنا اور دوسروں کو بھی حوصلہ دلانا ، غالب کے خطوط کی اہم خصوصیات ہیں اور انھی خصوصیات

غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

کے فن کارانہ اظہار نے اُن کے خطوط میں ادبی محاسن کو اُجاگر کیا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

خطوط غالب کے فنی و ادبی محاسن کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر کو بہ ہر حال ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ غالب خط کو خط سمجھ کر ہی لکھ رہے تھے، اسے داستان، آپ بیتی، انشائیہ، افسانہ یا ڈراما سمجھ کر نہیں لکھ رہے تھے۔ اس لیے اُن کے خطوط میں کاروباری اور معاملاتی امور بھی ہوتے ہیں اور علمی مسائل پر بحثیں بھی ملتی ہیں۔ خطوط کے اس حصے کو ادبی محاسن کے اعتبار سے نہیں بلکہ اُسلوب نگارش کے اس پہلو سے دیکھا جا سکتا ہے کہ غالب نے ان مسائل و معاملات کے بیان میں سادا و سلیس نثر کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ قافیوں کا استعمال، جو خطوط غالب کی ایک اہم خصوصیت ہے، اس قسم کے موقعوں پر عموماً نہیں ہوتا۔ اس لیے اس حصے کو ہم علمی نثر کہہ سکتے ہیں۔

دوسری بات جو اس جائزے کے سلسلے میں قابل توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ غالب کے خطوط مختلف اصحاب کے نام لکھے گئے۔ اصولاً خط کی تحریر و ترسیل میں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان تعلقات کی نوعیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی سے خط کا لب و لہجہ آغاز سے اختتام تک متعین ہوتا ہے۔ جذباتی عنصر عام طور پر انہی خطوط میں مل سکتا ہے، جو ایسے اشخاص کو لکھے جاتے ہیں جن کے ساتھ انسان بے تکلفی سے دل کی بات کر سکتا ہے۔ ادبی لحاظ سے غالب کے وہ خطوط زیادہ اہم ہیں، جو بے تکلف احباب اور عزیز ترین شاگردوں کو لکھے گئے۔

Scanned with CamScanner

4:44
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

القاب و آداب :

غالب نے خطوط نویسی کے قدیم انداز کو ، جسے وہ ''محمد شاہی روشیں'' کہہ کر پکارتے ہیں ، یکسر بدل دیا ۔ اس تبدیلی کا احساس خطوط غالب کے آغاز میں القاب و آداب کے استعمال ہی سے ہو جاتا ہے ۔ غالب اس بارے میں انور الدولہ شفق کو لکھتے ہیں :

''پیرو مرشد ، یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا ۔''

[خطوط غالب ، مرتبہ مہر ، صفحہ ۳٦۲]

مکتوب نگاری کا جو نیا انداز غالب نے اختیار کیا تھا اُس میں رسمی القاب و آداب کی گنجائش ہی نہیں تھی ۔ تاہم غالب نے فرق مراتب کو بہ ہر حال ملحوظ رکھا ہے ۔ اس کا اندازہ مختلف مکتوب الیہوں کے نام خطوط کے مطالعے سے ہو جاتا ہے ۔ القاب میں بے تکلفی اور ندرت وہیں تک ہے جہاں مراسم کی نوعیت اس کی اجازت دیتی ہے ۔ جہاں ادب و احترام واجب ہوتا ہے ، وہاں القاب میں کلمات احترام آ جاتے ہیں ۔ مثلاً خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کے نام خطوط میں : پیر و مرشد ، قبلہ ، قبلہ حاجات ، جناب عالی ، حضور ، حضرت پیر و مرشد ، بندہ پرور وغیرہ ، انور الدولہ شفق کے نام خطوط میں : پیرو مرشد ، قبلہ و کعبہ ، خدا وند نعمت ، جناب بھائی صاحب قبلہ ، نواب امین الدین احمد خاں کے لیے برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان وغیرہ ، اور جہاں تعلقات میں زیادہ یگانگت نہیں ہوتی وہاں القابات میں بھی رکھ رکھاؤ ہوتا ہے ۔ مثلاً حضرت ، مخدوم و مکرم ، جناب عالی ، صاحب

57
231
Scanned with CamScanner

4:44
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

وغیرہ ۔ اب ذرا بے تکلف احباب اور شاگردوں کے نام خطوط میں القابات کی جدت و ندرت ملاحظہ فرمائیے :

علاؤ الدین احمد خاں علائی :

''میرزا نسیمی کو دعا پہنچے' صاحب ' مولانا نسیمی' میری جان ' میری جان علائی ہمہ دان' جان غالب' علائی مولائی ' مرزا علائی ' یار بھتیجے گویا بھائی مولانا علائی ! خدا کی دہائی' میاں' اقبال نشانا' جانا عالی شانا ' جانا جانا ' اے میری جان ' اجی مولانا علائی وغیرہ ۔''

منشی ہر گوپال تفتہ :

مہاراج ' بھائی ' شفیق بالتحقیق منشی ہر گوپال تفتہ سلامت رہیں ' بندہ پرور' کاشانۂ دل کے ماہ دو ہفتہ منشی ہر گوپال تفتہ' صاحب' منشی صاحب ' جان من و جانان من ' میرزا تفتہ' نور نظر و لخت جگر مرزا تفتہ' برخوردار' مشفق میرے کرم فرما میرے ' اجی مرزا تفتہ' کیوں صاحب ' دیکھو صاحب ' میاں ' میری جان ' برخور دار مرزا تفتہ' میاں مرزا تفتہ ' صاحب بندہ ' حضرت ' نور چشم غالب ' از خود رفتہ مرزا تفتہ ' آؤ مرزا تفتہ میرے گلے لگ جاؤ اور میری حقیقت سنو ' میرے مہربان ' میری جان میرزا تفتہ سخندان (بیشتر خطوط بغیر القاب کے شروع ہوتے ہیں) ۔

مرزا حاتم علی بیگ مہر :

بندہ پرور ' صاحب میرے' بھائی صاحب' بندہ پرور ' شفیق بالتحقیق مولانا مہر ذرۂ بے مقدار کا سلام قبول کریں' مرزا صاحب ۔

میر مہدی مجروح :

میاں ' صاحب ' کیوں یار کیا کہتے ہو؟ سید صاحب ' بھائی '

58
231
Scanned with CamScanner

4:44
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

میری جان، میر مہدی، میاں لڑکے، اہاہاہاہا! میرا پیارا میر مہدی آیا، جان غالب، لو صاحب، او میاں سید زادۂ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ، جویائے حال دہلی و الور سلام لو، نور چشم میر مہدی، آئیے جناب میر مہدی صاحب دہلوی بہت دنوں میں آئے۔ کہاں تھے؟ برخوردار کامگار میر مہدی۔

باتیں کرنا، مکالمے، خبریں سنانا:

القاب و آداب کی اس بے تکلفی کے ساتھ ہی دوسرا اہم پہلو، جس نے خطوط غالب کو ادبی لحاظ سے دلکش و دلچسپ بنایا ہے، وہ باتیں کرنے کا انداز ہے۔ ہم اس کے نفسیاتی محرکات پر پہلے گفتگو کر آئے ہیں۔ ادبی اسلوب میں باتوں کے انداز میں جو اپنایت، یگانگت اور بے تکلفی ہوتی ہے، وہ کسی اور الداز بیان میں نہیں ہوتی۔ میر تقی میر کو بھی اپنے اس انداز خاص کی دلکشی کا پورا احساس تھا:

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا
پڑھتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

غالب خطوط کے ذریعے جس مجلسی ماحول کو پیدا کرنا چاہتے تھے، وہ اسی انداز نگارش سے ممکن تھا۔ انھوں نے آئین نامہ نگاری چھوڑ کر مراسلے کو مکالمے کی جو صورت دی اُس میں مکالمے (Dialogue) بھی ہیں اور بات چیت کی مجلسی کیفیت بھی:

"بھائی صاحب کا خط کئی دن ہوئے کہ آیا ہے اور میرے خط کے جواب میں ہے۔ دو ایک دن کے بعد جب جی باتیں کرنے کو چاہے گا، تب اُن کو خط لکھوں گا۔"

[خطوط غالب، مرتبہ مولانا مہر، صفحہ ۱۶۰]

59
231
Scanned with CamScanner

4:44
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

''اس وقت تمھارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا ۔ مجھے باتیں کرنے کا مزا ملا تو دونوں کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا ۔ اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں ۔''

[خطوط غالب، مرتبہ مولانا مہر، صفحہ ۲۸۶]

''اب میں حضرت سے باتیں کر چکا ۔ خط کو سر نامہ کرکے کہار کو دیتا ہوں کہ ڈاک میں دے آوے'' [ایضاً ——، صفحہ ۳۶۱]

''اس وقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا، جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا، زیادہ کیا لکھوں ۔'' [ایضاً ——، صفحہ ۳۸۱]

باتیں کرنے کے اس انداز سے نثر میں زندگی کا احساس بیدار ہوتا ہے اور پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی جیتے جاگتے ماحول میں بیٹھا ہے جہاں احباب باہمدگر مصروف گفتگو ہیں ۔ اس میں حرف و حکایت بھی ہے اور شکوہ و شکایت بھی ۔ باتیں کرنے اور سننے والے کے درمیان اتنا قرب ہوتا ہے کہ وہ باتوں کے علاوہ ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں بھی سن سکتے ہیں ۔ اسلوب میں اس انداز سے باہمی اعتماد اور رفاقت کی جو فضا پیدا ہوتی ہے اُس میں معمولی سے لے کر غیر معمولی باتوں تک یکساں توجہ سے سنی جاتی ہیں اور انسان اُن میں لطف لینے لگتا ہے ۔ اسلوب کا یہی انداز ہے جو انشائیہ نگاری (Essay) کے لیے نہایت ضروری ہوتا ہے ۔ اُردو میں انشائیہ کی صنف غالب کے بعد سرسید کے زمانے میں ''تہذیب الاخلاق'' کے اِجراء سے ظہور میں آئی ۔ لیکن اس صنف ادب کے لیے غالب کے اسلوب گفتگو نے زمین پہلے ہموار کر دی تھی ۔

غالب نے اپنے بعض خطوط میں گفتگو کو مزید جاندار اور پُرلطف بنانے کے لیے مکالموں کو بھی جگہ دی ہے ۔ غالب کے مکالمے

60
231
Scanned with CamScanner

4:44
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

بڑے مختصر اور برجستہ ہوتے ہیں اور جو بات بیانیہ یا وضاحتی انداز میں ذرا طویل اور بے کیف ہو سکتی تھی، وہ مکالموں میں بڑی مختصر، جامع اور دلکش بن گئی ہے ۔ بعض مکالموں نے تو ایسا سماں پیدا کر دیا ہے کہ اُن کی وجہ سے متعلقہ خطوط ادبی لحاظ سے ضرب المثل بن گئے ہیں ۔ مثلاً

(۱) (غالب) : کوئی ہے ؟ ذرا یوسف مرزا کو بلائیو !
(؟) : لو صاحب، وہ آئے !
(غالب) : میاں ، میں نے کل خط تم کو بھیجا ہے ، مگر تمھارے ایک سوال کا جواب رہ گیا ہے، اب سن لو!
[خط بنام یوسف مرزا ، خطوط غالب، صفحہ ۳۰۴]

(۲) (غالب) : بھئی محمد علی بیگ ، لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں ؟
(محمد علی) : حضرت ، ابھی نہیں !
(غالب) : کیا آج نہ جائیں گی ؟
(محمد علی) : آج ضرور جائیں گی ، تیاری ہو رہی ہے !
[خط بنام علاءالدین علائی ، خطوط غالب، صفحہ ۶۹]

(۳) (غالب) : تم خوب ہو !
(پیر جی) : کیا کہنا !
(غالب) : کس کا ؟
(پیرجی) : مرزا شمشاد علی بیگ کا !
(غالب) : ایں، اور کسی کا نام تم کیوں نہیں لیتے ؟ دیکھو یوسف علی خاں بیٹھے ہیں ، ہیرا سنگھ موجود ہے ۔
(پیر جی) : واہ صاحب ! میں کیا خوشامدی ہوں جو منہ دیکھی کہوں ؟ میرا شیوہ حفظ الغیب ہے ۔ غیب کی تعریف کرنی کیا عیب ہے !

61
231
Scanned with CamScanner

4:44
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

(غالب) : ہاں صاحب ، آپ ایسے ہی وضعدار ہیں ، اس میں کیا ریب ہے !

[خط بنام علاء الدین علائی ، خطوط غالب ، صفحہ ۹۱]

اور غالب کا شاہکار مکالمہ تو مندرجہ ذیل ہے جس میں مکتوب الیہ میر مہدی مجروح ہیں لیکن مکالمہ میرن صاحب سے ہو رہا ہے ۔ کتنا برجستہ ، لطیف اور دلچسپ انداز ہے :

(۴) (غالب) : اے جناب میرن صاحب ، السلام علیکم !

(میرن) : حضرت آداب !

(غالب) : کہو صاحب ، آج اجازت ہے ، میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کی ؟

(میرن) : حضور میں کیا منع کرتا ہوں ؟ میں نے عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں ۔ بخار جاتا رہا ہے ، صرف پیچش باقی ہے ۔ وہ بھی رفع ہو جائے گی ۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں ۔ آپ پھر کیوں تکلیف کریں ؟

(غالب) : نہیں ، میرن صاحب ! اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں ۔ وہ خفا ہوا ہوگا ۔ جواب لکھنا ضرور ہے ۔

(میرن) : حضرت ، وہ آپ کے فرزند ہیں ، آپ سے خفا کیا ہوں گے ۔

(غالب) : بھائی ، آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو ؟

(میرن) : سبحان اللہ ، اے لو حضرت ، آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے ۔

62
231
Scanned with CamScanner

4:45
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

(غالب) : اچھا ، تم باز نہیں رکھتے ؛ مگر یہ تو کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں؟

(میرن) : کیا عرض کروں ، سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور حظ اٹھاتا ۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جاوے ۔ میں پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں ۔ میری روانگی کے تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھیے گا ۔

(غالب) : میاں ، بیٹھو ، ہوش کی خبر لو ۔ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ ؟ میں بوڑھا آدمی ، بھولا آدمی ، تمہاری باتوں میں آ گیا اور آج تک آسے خط نہیں لکھا ۔ لاحول ولاقوۃ ۔

اردو کے افسانوی ادب میں ناول اور ڈرامے کی اصناف بھی غالب کے بعد ظہور میں آئیں ۔ لیکن خطوط غالب کے یہ پیرایہ ہائے بیان ان اصناف ادب کے لیے اظہار و بیان کی راہیں تیار کر گئے ۔

مکالموں اور باتوں کے ساتھ ساتھ مجلسی زندگی کا ایک اہم پہلو خبریں سنانے کا ہے ۔ خبریں اور خبروں پر تبصرے ایک معاشرتی جبلت ہے جس کی تکمیل احباب کی شبانہ مجلسوں میں ہوتی ہے ۔ غالب نے بھی اس کے ذریعے مجلسی فضا پیدا کرکے اپنی اور احباب کی تسکین دل کا سامان پیدا کیا ہے :

"آج شہر کے اخبار لکھتا ہوں ، سوانح لیل و نہار لکھتا ہوں "
[خطوط غالب ، صفحہ ۵۷]

"ہم تمہارے اخبار نویس ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں کہ ......"
[ایضاً ، صفحہ ۱۸۳]

Scanned with CamScanner

4:45
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

"میاں لڑکے! کہاں پھر رہے ہو؟ اِدھر آؤ، خبریں سنو!"
[ایضاً، صفحہ ۲۹۵]

خبریں سننے سنانے کی اس معاشرتی حس نے جہاں غالب کے خطوط میں مجلسی رنگ کو اور نمایاں کر دیا ہے، وہاں ان کے خطوط تاریخی لحاظ سے بھی بہت اہم دستاویزیں بن گئے ہیں۔ غالب نہ صحافی تھے نہ مورخ، لیکن وہ احباب کی خاطر وقائع نویس بھی بنے اور صحیفہ نگار بھی، اور اس طرح اپنے خطوط میں عصری تاریخ کا بہت سا قیمتی مواد چھوڑ گئے۔ غالب نے ایک نہایت اہم اور ہنگامہ خیز دور میں اپنے احباب کو خطوط لکھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد شہر بدر احباب کے تقاضوں کے تحت انھیں "سوانح لیل و نہار" بھی لکھنے پڑے۔ قدرتی طور پر وہ خطوط میں اپنے گرد و پیش کے ماحول کی بعض ایسی تفصیلات بھی پیش کر جاتے ہیں جو کسی اور ذریعے سے ہم تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ وہ واقعات و حالات ہی بیان نہیں کرتے بلکہ رد عمل اور تاثرات بھی قلم بند کر جاتے ہیں۔ اس طرح غالب کے خطوط کا یہ سرمایہ رپورتاژ کی ذیل میں آ جاتا ہے جسے ادب میں اب ایک الگ صنف کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

خطوط غالب میں بیان کردہ معاصر واقعات و حالات کی تصدیق دوسرے ذرائع سے کرکے ان کی تاریخی حیثیت متعین کی جا سکتی ہے۔ غالب تک اطلاعات یا خبریں مختلف ذرائع سے پہنچتی تھیں۔ وہ ان کا عقلی تجزیہ بھی ضرور کرتے ہوں گے۔ خبر اور افواہ میں فرق ان کے پیش نظر رہتا ہے:

"خلق نے از روے قیاس، جیسا کہ دلی کے خبر تراشوں کا دستور ہے، یہ بات اڑا دی، سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ..."
[خطوط غالب، صفحہ ۲۸۰]

Scanned with CamScanner

4:45
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

اس طرح غالب نے اپنے خطوط میں اپنے عہد کی زندگی کی بہت سی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ جزئیات نگاری کی وجہ سے وہ بعض معمولی معمولی امور کا تذکرہ بھی کر جاتے ہیں۔ یہی معمولی باتیں آج کے محقق کو اس دور کی عمرانی زندگی کے بعید گوشوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ دلی کی بربادی اور پھر اس کی بتدریج آبادی کے کوائف، خاص و عام کی گزر اوقات، معاشی حالات، سفر کے ذرائع اور حالات، ڈاک کے انتظامات، موسمی تغیرات وغیرہ' یہ وہ مختلف امور ہیں جو خطوط کی مجلسی فضا سے ابھر کر اس عہد کی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

منظر نگاری اور مرقع کشی:

غالب خط لکھتے وقت نہ صرف اپنے لیے بلکہ مکتوب الیہ کے لیے بھی مجلسی فضا تخلیق کرنے کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ ماحول کا تاثر دینے کے لیے خط کے شروع یا اختتام پر غالب گرد و پیش کے منظر کی ایسی جزئیات پیش کرتے ہیں کہ مکتوب الیہ اور قاری کی

---

(۱) مثلاً میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں یہ تفصیلات ملاحظہ فرمائیے:

"پنسن سب کو سراسر ششماہی ملنے کا حکم ہو گیا۔ ہر مہینے میں سودی لو اور کھاؤ۔ کشمیری کٹرا بگڑ گیا ہے۔ ہائے! وہ اونچے اونچے در اور وہ بڑی بڑی کوٹھریاں دو رویہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوئیں۔ آہنی سڑک کا آنا اور اس کی رہگزر کا صاف ہونا ہنوز ملتوی ہے۔ چار دن سے پُروا ہوا چلتی ہے۔ ابر آتے ہیں، مگر صاف چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ مینہ نہیں برستا۔ گیہوں، چنا، باجرہ تینوں اناج ایک بھاؤ ہیں۔ نو سیر ساڑھے نو سیر۔۔۔۔"

(صبح چہار شنبہ، نہم جنوری ۱۸۶۱ع، خطوط غالب، صفحہ ۲۹۹)

65
231
Scanned with CamScanner

4:45
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

نگاہوں کے سامنے اس فضا کا دلکش مرقع ابھرنے لگتا ہے ۔ ادب میں مرقع کشی کے لیے بڑے سلیقے اور ہنرمندی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ایسی حقیقی جزئیات جو کسی موقع کی صورت حال کو اجاگر کر سکیں اور پھر ان جزئیات میں ایسی ترتیب کہ کوئی بات زائد از ضرورت محسوس نہ ہو ، بلکہ ہر معمولی اور غیر معمولی چیز حسن ترتیب سے یکجا ہوکر ایک مجموعی کیفیت پیدا کر دے ، ایک ادبی مرقعے کی بنیادی شرائط ہیں ۔ مرقع کشی کے لیے تخیل سے زیادہ مشاہدے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ مرقع وہی کامیاب ہوتا ہے جس میں خارجی ماحول کی خیالی باتیں نہ ہوں بلکہ حقیقی جزئیات ہوں ۔ غالب کے خطوط میں منظر کشی اور مرقع نگاری اس لحاظ سے بڑی جاندار ہے کہ وہ ماحول کی خیالی تصویروں کے بجائے حقیقی تصویریں پیش کرتے ہیں ۔ وہ حسن انتخاب اور حسن ترتیب سے اپنے گرد و پیش کی جزئیات سے ایسے مرقعے تیار کرتے ہیں جنھیں پڑھ کر قاری اس ماحول کا پورا احساس کرنے اور محظوظ ہونے لگتا ہے ۔ مثلاً یہ مناظر اور مواقع دیکھیے :

''رات کو خوب مینہ برسا ہے ، صبح کو تھم گیا ہے ۔ ہوا سرد چل رہی ہے ۔ ابر تنک چھا رہا ہے ۔ یقین ہے کہ تمھاری جدۂ ماجدہ مع اپنی بہو اور پوتے کے روانہ لوہارو ہوں ۔ کل آج کی روانگی کی خبر تھی ۔ یہ لڑکا سعید ازلی ہے ۔ ابر کا محیط ہونا اور ہوا کا سرد ہو جانا خاص اس کی آسائش کے واسطے ہے ۔ میرا منظر سر راہ ہے ۔''
[خطوط غالب ، مرتبہ مہر ، صفحہ ۶۸ ، ۶۹]

''ہاپوڑ کو روانہ ہوا ۔ دونوں برخوردار گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیے ۔ چار گھڑی دن رہے میں ہاپوڑ کی سرائے میں پہنچا ۔

66
231
Scanned with CamScanner

4:45
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا۔ گھڑی بھر دن رہے قافلہ آیا۔ میں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا۔ دو شامی کباب اس میں ڈال دیے۔ رات ہو گئی تھی، شراب پی، کباب کھائے۔ لڑکوں نے ارہر کی کھچڑی پکوائی۔ خوب گھی ڈال کر آپ بھی کھائی اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔"

[خطوط غالب، صفحہ ۱۱۷]

"میر مہدی صاحب، صبح کا وقت ہے، جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں، ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی، مگر ہائے وہ آتش سیال کہاں؟"

[خطوط غالب، صفحہ ۲۹۴]

"اہا ہا ہا! میرا پیارا میر مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے؟ بیٹھو، یہ رام پور ہے، دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے؟ پانی، سبحان اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمۂ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔"

[خطوط غالب، صفحہ ۲۹۵]

"کوٹھری میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آ رہی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہے۔ حقہ پی رہا ہوں، یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا، یہ باتیں کر لیں۔"

[خطوط غالب، صفحہ ۲۹۷]

"برسات کا حال نہ پوچھو، خدا کا قہر ہے۔ قاسم خاں کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں، عالم بیگ خاں کے کٹرے کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا، گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنی ہو گئی

67
231
Scanned with CamScanner

غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

ہیں ۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے ۔"
[خطوط غالب ، صفحہ ۳۱۲]

آپ بیتی :

غالب کے سوانح حیات کے سلسلے میں حالی کی یادگار سے لے کر موجودہ زمانے تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے ۔ حیات غالب کے مصادر میں ان کے خطوط کی بڑی اہمیت ہے ۔ صرف اس لیے نہیں کہ خطوط میں ان کے بارے میں بہت سی باتیں مل جاتی ہیں ، بلکہ اس لیے کہ غالب نے اپنے خطوط میں آپ بیتی کے انداز میں خود اپنی سرگزشت کے بہت سے اوراق پیش کر دیے ہیں ۔ آپ بیتی سوانح عمری کی وہ شاخ ہے جس کا موضوع لکھنے والے کی اپنی زندگی کے لیل و نہار ہوتا ہے ۔ ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ انسانی زندگی میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب انسان کے دل میں فطری طور پر کچھ اپنے بارے میں ، گزری ہوئی زندگی کے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ، کہنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ مہد سے لے کر لحد تک تو سوانح نگار ہی جا سکتا ہے ۔ تاہم آپ بیتی نگار بھی اپنی روداد حیات اور ذہنی و جذباتی کیفیات اس وقت تک بیان کر سکتا ہے جب تک دم میں دم ہوتا ہے اور دست و قلم بالکل شل نہیں ہو جاتے :

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

غالب باقاعدہ آپ بیتی یا سرگزشت نہیں لکھ رہے تھے ، صرف احباب کے نام خط لکھ رہے تھے ۔ البتہ یہ خطوط جس مجلسی ماحول کی بازیافت کے لیے لکھے جا رہے تھے اس میں دیگر احوال و

68
231
Scanned with CamScanner

4:46
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

کوائف کے علاوہ مجلسی زندگی کا یہ رجحان بھی پیدا ہوا کہ مکتوب نگار اپنے احباب کے سامنے اپنی بیتی زندگی کے تجربات و مشاہدات کی جھلک بھی پیش کرے ۔ چنانچہ غالب نے مختلف خطوط میں اپنے بارے میں اتنا کچھ لکھ دیا ہے ، اور اس انداز سے لکھا ہے کہ اگر اس مواد کو سلیقے سے ترتیب دیا جائے تو اس سے غالب کی ایک آپ بیتی تیار ہو جاتی ہے (جیسا کہ بعض حضرات نے اس سلسلے میں کوشش بھی کی ہے) ۔ اس آپ بیتی میں جیتا جاگتا غالب ، اپنے غموں اور خوشیوں ، اپنی آرزوؤں اور خواہشوں ، اپنی محرومیوں اور شکستوں ، اپنی احتیاجوں اور ضرورتوں ، اپنی شوخیوں اور بذلہ سنجیوں کے ساتھ زندگی سے ہر صورت میں نباہ کرتا ہوا ملے گا :

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

یہ اوراق سرگزشت ایک ایسی شخصیت کے ہیں جو انا کا شدید احساس رکھنے کے باوجود اپنی احتیاجوں، اپنی کمزوریوں اور اپنی بدحواسیوں کا احتساب بھی کر سکتی ہے اور ان کا اظہار بھی[1] ۔ آپ بیتی کا یہ وہ نازک مقام ہے جو تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز ہوتا ہے ۔

---

(۱) مثلاً مرزا قربان علی بیگ سالک کے نام خط میں یہ انداز ملاحظہ فرمائیے ۔ خود احتسابی کی اس سے بہتر مثال ادب میں ملنی مشکل ہے :
''اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں ۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں ۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے ۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے ، کہتا ہوں : لو، غالب کے ایک اور جوتی لگی ۔ بہت اِتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی دان ہوں ۔ آج دور دور تک میرا جواب
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

69
231
Scanned with CamScanner

غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

محاسن خطوط غالب

غالب اپنے خطوط میں مرتے دم تک اپنی ذہنی کیفیات کے نقشے اور بیتی ہوئی زندگی کے مرقعے پیش کرتے رہے۔ ان امور نے خطوط کی ادبی روح کو (آپ بیتی کے نقطۂ نظر سے) بڑا دلچسپ اور دلکش بنا دیا ہے۔ اور ہم ان خطوط کے آئینے میں ایک ایسی آفاقی شخصیت کی جھلک دیکھتے ہیں جو زندگی کا ایک خاص مسرت بخش فلسفہ رکھتے ہوئے زندگی کی محرومیوں اور ناکامیوں سے نبرد آزما ہے۔ یہ عظیم شخص اپنی ناکامیوں اور محرومیوں پر کڑھتا نہیں بلکہ ان پر استہزا کرتا ہے۔ وہ زندہ دلی اور خوش باشی سے جینے کی نئی نئی راہیں تلاش کرتا ہے۔ غم و الم کو زندگی کی ایک حقیقت سمجھتے ہوئے غم سے نباہ کی صورتیں پیدا کرتا ہے، شاعری میں بھی اور خطوط میں بھی۔ شاعری میں اگر وہ ایک مفکر بن کر جذبۂ غم کا تجزیہ کرتا ہے تو خطوط میں زندہ دلی سے غم کے برداشت

نہیں۔ لے اب قرضداروں کو جواب دے۔ سچ تو یوں ہے، غالب کیا مرا، بڑا ملحد مرا، بڑا کافر مرا۔ ہم نے از راہ تعظیم، جیسا بادشاہوں کو بعد آن کے ''جنت آرام گاہ'' و ''عرش نشین'' خطاب دیتے ہیں، چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلمرو سخن جانتا تھا، ''سقر مقر'' اور ''ہاویہ زاویہ'' خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ ''آئیے نجم الدولہ بہادر!'' ایک قرضدار کا گریبان میں ہاتھ، ایک قرضدار بھوگ سنا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں: ''اجی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے، اوغلان صاحب! آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے؟ کچھ تو آکسو، کچھ تو بولو''۔ بولے کیا بے حیا، بے غیرت، کوٹھی سے شراب، گندھی سے گلاب، بزاز سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، صراف سے دام قرض لیے جاتا تھا۔ یہ بھی سوچا ہوتا، کہاں سے دوں گا۔''

[خطوط غالب، صفحہ ۱۱۹]

70
231

4:46
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

کرنے کا عملی ثبوت دیتا ہے، اور اس طرح ایک ایسے حوصلہ مند انسان کا نمونہ پیش کرتا ہے جو آلام روزگار کو نہ صرف اپنے لیے آسان بنا لیتا ہے بلکہ دوسروں میں بھی ضبط و برداشت اور حوصلہ مندی و زندہ دلی کے جذبات ابھارتا ہے۔ جس انسان کا نظریہ حیات یہ ہو:

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

اس کے ضبط و حوصلے کی انتہا کیا ہو سکتی ہے! خطوط غالب کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ ضبط و حوصلے کے یہ بندھن جب کبھی ٹوٹنے لگتے ہیں تو وہ نہایت زندہ دلی و شوخی سے پھر ان کو استوار کرکے سیلاب غم کو بے اثر بنا دیتے ہیں۔ خطوط غالب کی یہ سہانی روح اور حیات بخش عناصر ایسے ہیں جو غالب کی آپ بیتی کو زندہ و تابندہ بنا کر پیش کرتے ہیں اور ہم اسے ایک غیر معمولی صلاحیتوں اور عظیم ذہن و فکر کے انسان کی سرگزشت سمجھ کر دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ حقیقت اور رومان کا امتزاج کبھی کبھی اس قسم کی کیفیات کا مرقع بن کر سامنے آتا ہے:

میاں، تمھارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمھارا کلام اچھا نہیں؟ میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدر دان نہ ہوگا؟ مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ بو علی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری، سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا اور مسلمانوں

71
231
Scanned with CamScanner

4:46
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

میں نبی بنا تو کیا ؟ دنیا میں نامور ہوئے تو کیا اور گمنام جیے تو کیا ؟ کچھ وجہ معاش ہو اور کچھ صحت جسانی، باقی سب وہم ہے اے یار جانی - ہر چند وہ بھی وہم ہے - مگر میں ابھی اسی پائے پر ہوں - شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گزر جاؤں ، عالم بے رنگی میں گزر پاؤں - جس سناٹے میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں - ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیے جاتا ہوں اور جس سے جو معاملہ ہے ، اس کو ویسا ہی برت رہا ہوں ، لیکن سب کو وہم جانتا ہوں - یہ دریا نہیں ہے ، سراب ہے - ہستی نہیں پندار ہے - ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں - مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور رہیں گے - ان کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہم تم کو ہوگا ؟"

[خطوط غالب ، صفحہ ۱۸۴ ، ۱۸۵]

زندگی کے بارے میں یہ فکر و احساس آفاق سطح کا حامل ہے !

شوخی و ظرافت :

غالب نے آنسوؤں اور قہقہوں کے درمیان زندہ رہنے اور زندگی کا احساس دلانے کی جو راہ تلاش کی ، اُس میں شوخی و ظرافت کا عنصر بنیادی حیثیت رکھتا ہے - سرچشمۂ غم سے پھوٹنے والی ظرافت کوئی معمولی درجے کی ظرافت نہیں ہوا کرتی - اس میں زندگی کی حقیقتیں اور زندگی کے تضادوں سے پیدا ہونے والی بصیرتیں بھی شامل ہوتی ہیں - اس قسم کی ظرافت کی تخلیق کے لیے دل گداختہ ہی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ایک عظیم ذہن و فکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے - غالب قلب و ذہن کے اعتبار سے اُس مقام پر تھے جہاں اس قسم کی اعلیٰ ظرافت کے سرچشمے پھوٹتے ہیں - غالب کا اجتاعی

72
231
Scanned with CamScanner

4:46
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

ماحول غم انگیز تھا ۔ محفلیں ویران ہو گئی تھیں ۔ احباب بچھڑ گئے تھے ۔ موت کی گرم بازاری نے ہر طرف افسردگی اور بے رونقی پھیلا دی تھی ۔ اس افسردہ ماحول میں بھی غالب نے خوش طبعی سے زندگی بسر کرنے کا جو ضابطۂ حیات اپنایا ، اُس کو وہ اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھتے بلکہ اپنے احباب کو بھی اس میں شریک کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اُجڑی محفل کی بے رونقی کا کچھ تو مداوا ہو جائے:

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

"دل لگی" کے اس رجحان نے اُن کے خطوط میں شوخی و ظرافت کی ایسی شگوفہ کاری کی ہے کہ غم کا احساس رکھتے ہوئے بھی انسان مسکرانے کی ہمت پیدا کر لیتا ہے ۔ زندہ دلی سے جینے کا یہ قرینہ اُن مواقع پر خاص طور سے قابل دید ہوتا ہے جب غالب اپنے کسی آزردہ خاطر دوست کو حزن و غم کے موقع پر خط لکھتے ہوئے اظہار ہمدردی کرتے ہیں ۔ زندگی میں موت ایک بہت بڑا حادثہ اور قدرتی طور پر غم کا باعث ہے ۔ اس سے بھی زیادہ یہ موقع اُن احباب کی آزمائش کا ہوتا ہے جو غم کے اس موقعے پر تعزیت کا فرض ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں' اور سب طرف سے لاچار ہو کر رسمی جملوں اور پیرایوں کا سہارا لیتے ہیں ۔ لیکن غالب کی زندہ دلی ایسے مواقع پر بھی جس طرح تعزیت جیسے رقت انگیز موضوع کو ظرافت کا عنوان بناتی اور غم زدہ انسان میں صبر و ضبط کا حوصلہ پیدا کرتی ہے' اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی ۔ تعزیت کے دو مواقع ملاحظہ فرمائیے :

73
231

4:46
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

''امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ! ایک وہ ہیں کہ دوبار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں، ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے، نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے، نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ کہ میں تیرے بچوں کو پال لوں گا، تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔'' [خطوط غالب، صفحہ ۱۷۸]

''مرزا صاحب، ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے ہم کو یہ نصیحت کی کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو، کھاؤ، مزے اڑاؤ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو، شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے...'' [خطوط غالب، صفحہ ۲۳۷]

تعزیت کے علاوہ شکوے اور خفگی کے موقع پر بھی وہ ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اس کی تلخی محسوس نہیں کرتا، بلکہ محظوظ ہوتا ہے۔ شکوے میں بھی غالب نے اپنی جدت طبع کی بدولت ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے:

''فقیر شکوہ سے برا نہیں مانتا مگر شکوہ کے فن کو سوا میرے کوئی نہیں جانتا۔ شکوے کی خوبی یہ ہے کہ راہ راست سے منہ نہ موڑے اور معہذا دوسرے کے واسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے۔'' [خطوط غالب، صفحہ ۲۱۹]

''کیوں صاحب، یہ امر ایسا کیا دشوار تھا کہ آپ نے نہ کیا؟ اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی؟ ابھی شکایت نہیں کرتا، پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور مقتضیٔ شکایت ہیں یا نہیں؟'' [خطوط غالب، صفحہ ۲۲۲]

74
231
Scanned with CamScanner

غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

"پیر و مرشد، بارہ بجے تھے، میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا، پڑھا۔ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جاتا؟ نقصان میرا ہوتا۔"

[خطوط غالب صفحہ ٣٦٦]

خطوط غالب کے ادبی محاسن کے سلسلے میں اور بھی کئی باتیں قابل ذکر ہیں۔ قدیم زمانے کی مقفیٰ و مسجع نثر تکلف اور اہتمام کی وجہ سے خاصی بدنام ہو چکی ہے۔ لیکن قافیوں کا التزام اگر بہ تکلف ہونے کی بجائے بے ساختہ ہو، تو ادبی نثر میں شعریت کا لطف و کیف پیدا ہو جاتا ہے۔ خطوط غالب میں گاہے گاہے بے ساختہ قوافی اُن کی نثر میں حسن پیدا کر دیتے ہیں۔ لفظی رعایتوں، صنعتوں، نادر تشبیہوں اور تمثیلوں کے ذریعے بھی وہ اپنی سادا نثر میں رنگینی پیدا کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں، جو مجموعی طور پر خطوط کی دلکشی کا باعث ہیں، محاسن خطوط غالب کے سلسلے میں اضافی کہی جا سکتی ہیں۔ اصل حسن تحریر خطوط میں غالب کی ادبی شخصیت کے بے ساختہ اظہار کا ہے، جس کی گوناگوں کیفیات کا مجمل سا تذکرہ صفحات ماقبل میں ہوا۔

محاسن خطوط غالب کو پیش کرنے کے سلسلے میں مغرب کے بعض نامور ادیبوں کی اسی نوع کی نگارشات سے موازنے کی صورت بھی ممکن ہے (جیسا کہ پہلے معمول رہا ہے) لیکن ہم یہ کام مغرب کے نقادوں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں اپنے ہاں کے نامور ادیبوں کی نگارشات کا غالب سے موازنہ کرکے اُن کی عظمت کا لوہا منوائیں!

75
231
Scanned with CamScanner

4:47
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

غالب کا اجتماعی احساس

برعظیم پاک و ہند میں مغل سلطنت کے انحطاط کے ساتھ سیاسی کشمکش کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ غالب کے زمانے تک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔ ملک کے بیشتر حصوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری قائم ہو گئی تھی۔ مرہٹہ جنگ (۱۸۰۳-۵ء) میں لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں آگرہ سے بڑھ کر دہلی پر قبضہ کیا۔ مرزا غالب کے حقیقی چچا نصراللہ بیگ ان فتوحات میں جنرل لیک کے ساتھ تھے۔ فتح دہلی کے بعد کٹ پتلی مغل بادشاہ (شاہ عالم ثانی) جو پہلے مرہٹوں کے زیر اثر تھا، اب کمپنی کے کنٹرول میں آ گیا۔ اس کے بعد بر عظیم میں کوئی ایسی بڑی قوت موجود نہیں تھی جو کمپنی کی یلغار کو روک سکے۔ پنجاب کی سکھا شاہی، کمپنی کے مقبوضات اور افغان سلطنت کے مابین ایک عارضی بفرسٹیٹ کا کام دے رہی تھی۔ کمپنی کی باجگذار دیسی ریاستیں "سب سڈی ایری سسٹم" اور الحاق کی حکمت عملی کے تحت جان کنی کی حالت میں تھی۔ اس طرح عملاً سارا ملک ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر نگیں آ چکا تھا اور کشت و خون کا وہ بازار قدرے سرد پڑ گیا تھا جو اٹھارویں صدی میں مغلوں کے مرکزی نظام حکومت کی کمزوری کی وجہ سے خاصا گرم رہا تھا۔ نظم و نسق کے قیام سے اجتماعی زندگی بظاہر پر سکون ہو گئی تھی۔ کاروبار، رسل و رسائل اور زراعت

Scanned with CamScanner

4:47
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

وغیرہ معمول پر آ گئے تھے ۔ اُجڑے ہوئے نگر آباد ہونے لگے ۔ کمپنی کا مرکز حکومت اگرچہ کلکتہ تھا لیکن دہلی، انگریزی تسلط کے بعد پھر آباد ہونے اور اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے لگی ۔ لال قلعے کا شاہی اقتدار تو ایک عرصہ پہلے ختم ہو چکا تھا لیکن برائے نام مغل بادشاہ کے نام سے اس کا ایک بھرم سا باقی رہ گیا تھا ۔

سیاسی کشمکش یا جنگ و جدل کا سلسلہ ختم ہو کر ماحول بظاہر پُر سکون ہو گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ذہنی کشمکش اور نفسیاتی جنگ کا ایک دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار نے ملک سے بد امنی اور شورش تو ختم کر دی، لیکن خود یہ اقتدار جس صورت میں قائم ہوا، وہ یہاں کے تاریخی حالات اور تہذیبی روایات کے منافی تھا ۔ اگر مغل سلطنت کو ختم کر کے بر سر اقتدار آنے والی طاقت یہاں کے حالات و روایات کے مطابق ہوتی اور حاکم و محکوم کے درمیان رنگ و نسل اور تہذیب و تمدن کی مغائرت کی اونچی اونچی دیواریں نہ ہوتیں، تو یہ انقلاب حکومت ملک کے لیے بڑا خوش آیند ہوتا ۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ نئے فاتحین اجنبی تھے اور اجنبی بن کر ہی یہاں اپنا راج قائم کرنا اور ملکی دولت کا استحصال کرنا چاہتے تھے ۔ سامراج کا یہ وہ انوکھا روپ تھا جس سے برعظیم کے باشندوں کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا ۔ اس لیے قدرتی طور پر نئے نظام حکومت سے یہاں کے باشندوں کی ذہنی و جذباتی مفاہمت ممکن نہیں تھی ۔ مغل سلطنت، جیسی بھی تھی، یہاں کے باشندوں کے لیے بلا امتیاز مذہب و ملت ایک طرح کی قومی حکومت کا درجہ رکھتی تھی ۔ کمپنی کی حکومت نفسیاتی طور پر اس کی جگہ پُر نہیں کر سکتی تھی ۔ اس لیے کمپنی کی عملداری قائم ہو جانے کے باوجود

77
231
Scanned with CamScanner

غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

ملک کے جمہور ذہنی طور پر برائے نام مغل بادشاہ سے عقیدت رکھتے تھے۔

کمپنی کی حکومت کے قیام کے ساتھ جو معاشی، تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی تبدیلیاں ظہور میں آ رہی تویں، اُن کو جمہور بجا طور پر شک و شبہے کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن عملاً بے بس ہو چکے تھے، اس لیے بے چینی اور اضطراب کی ایک داخلی لہر تھی جو قلب و ذہن میں پھیلتی جا رہی تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز سے ذہنی و جذباتی کشمکش کا یہ سلسلہ شروع ہوا۔ کمپنی کے مقبوضات میں توسیع کے ساتھ ساتھ یہ اندرونی اضطراب بھی بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء میں یہ آتش فشاں لاوا انتہا تک پہنچ کر پھٹ پڑا۔ لاکھوں انسانوں کی قربانی لے کر یہ آگ فرو ہوئی اور برعظیم پر اجنبی سامراج کا تسلط ایک تاریخی حقیقت بن گیا۔

غالب کی ذہنی نشو و نما اس پُر اضطراب اجتماعی ماحول میں ہوئی۔ والد اور چچا کی وفات کے بعد بچپن ہی سے انھیں سنگین حالات سے دوچار ہونا، اور آرزوؤں اور خواہشوں کی لامتناہی فضاؤں میں رہتے ہوئے زندگی کے تلخ حقائق سے نبرد آزما ہو کر اپنا راستہ بنانا پڑا۔ غالب ایک رومانی ادیب و شاعر تھے لیکن عملی زندگی میں ہم انھیں ایک حقیقت پسند اور معاملہ فہم انسان کی طرح اپنے نجی مسائل و معاملات سلجھاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اپنی پنشن کے جھگڑے کے سلسلے میں کلکتہ تک کا سفر، سرکار انگریزی میں اپنے موروثی تعلقات کی بنا پر حصول عزت و جاہ کی کوشش، قلعہ معلیٰ کے وظیفے اور مصاحبت شاہ کے علی الرغم "کوئین ہوئیٹ" بننے کے لیے تگ و دو،

78
231
Scanned with CamScanner

4:47
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

یہ وہ مراحل تھے جن سے وہ ۱۸۵۷ء سے پہلے گزرے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں کمپنی کی حکومت کی نہ تو خیر خواہی کی اور نہ ہی اس سے کوئی بے وفائی کی۔ اور انقلاب کے بعد جب ملکی باشندے جرم و سزا کے شکنجے میں جکڑے ہوئے نظر آتے تھے، غالب کا اپنی پنشن کی بحالی کے لیے کوشش کرنا اور حکام سے رابطہ قائم کر کے اپنے بارے میں شکوک و شبہات کو رفع کرنا، یہ سب باتیں عملی زندگی میں ذاتی سطح پر بڑی حقیقت پسندانہ ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غالب کاروبار زندگی میں اپنے ماحول سے مفاہمت کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اور جیسا موقع ہوتا تھا اس کے مطابق کارروائی عمل میں لاتے تھے:

"چپکے ہو رہو اور مجھ کو کسی عالم میں غمگین اور مضطر گمان نہ کرو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے، ویسا عمل میں آتا ہے۔"

[خط بنام میر مہدی مجروح، خطوط غالب، مرتبہ مہر، ص ۲۹۳]

عملی زندگی کا یہ وہ میدان تھا۔ جس میں ایک عام دنیا دار فرد کی حیثیت سے غالب کو حالات سے مفاہمت کر کے زیست کو اپنے اور اپنے لواحقین کے لیے خوشگوار بنانا پڑ رہا تھا۔ بعض اوقات اپنی مطلب براری کے لیے غالب خود داری کے معروف مفہوم سے بھی گزر کر حالات سے سمجھوتہ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ بات ان کی شاعرانہ انا کے برعکس معلوم ہوتی ہے[۲] لیکن امر واقعہ کا کیا کیجیے۔ جو

(۱) بحوالہ مکاتیب غالب، چوتھا ایڈیشن ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۶
(۲) شاعری میں تو غالب کی خودشناسی کا یہ عالم ہے کہ:

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

79
231
Scanned with CamScanner

4:47
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

لوگ غالب کو ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے دیکھتے اور انھیں بشری کمزوریوں سے مبرا سمجھتے ہیں، اُن کے لیے شاید یہ باتیں ناقابل قبول ہوں۔ لیکن حقیقت موجود ہو تو اس سے گریز اچھا نہیں ہوتا۔ غالب کو ایک عام فرد کی طرح زندگی میں اگر اس طرح کے سمجھوتے کرنے پڑے تو اس میں ان کی بشری کمزوریاں اور حالات کی مجبوریاں بھی قابل لحاظ ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کے ذہنی عمل اور شاعرانہ فکر و احساس کا تعلق ہے، ضروری نہیں کہ عملی زندگی کی یہ مفاہمتیں اس کے راستے میں بھی حائل ہوئی ہوں۔ شاعر کا جسم اگر حالات کا پابند ہوتا ہے تو یہ لازمی امر نہیں کہ اس کی روح بھی حالات میں جکڑی ہوئی ہو۔ ایک انسان کی زندگی کو یوں دو خانوں میں تقسیم کرنا طبیعی لحاظ سے شاید ممکن نہ ہو، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ شاعر اور فن کار اس معاملے میں بالعموم دو دنیاؤں میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ ایک دنیا ہم آپ اور شاعر سب کی ہے اور دوسری آرزو کی وہ دنیا جہاں شاعر کا فکر و احساس مادی آلائشوں سے قدرے بلند ہو کر تخیل کے وسیع مرغزاروں کی گلگشت کرتا ہے۔ تخیل اور حقیقت کی یہ کشمکش زندگی میں لازمی ہے۔ انسان جتنا زیادہ حساس ہوگا، اتنی ہی زیادہ یہ کشمکش شدید ہوگی۔ غالب کا اجتماعی احساس اس لحاظ سے غالب کے اس طرز عمل سے، جو عام کاروبار زیست میں حالات سے مفاہمت کے اصول پر مبنی ہے، خاصا الگ معلوم ہوگا۔ اس کا اظہار ان کی شاعری میں بھی ہوا ہے اور خطوط میں بھی۔ چونکہ شاعری میں (خصوصاً غزل میں) صراحت کم اور خارجی ماحول کے بارے میں رمز و کنائے کا اندازہ زیادہ ہوتا

Scanned with CamScanner

4:47
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

ہے ، اس لیے یہاں فکر و احساس کی صحیح جہت کا اندازہ لگانا قدرے دشوار ہے ۔ خطوط میں یہ بات نہیں ہوتی ۔ یہاں ہم شاعری کی بحث کو الگ رکھتے ہوئے خطوط کے آئینے میں غالب کے اجتماعی احساس کا مطالعہ کرتے ہیں ، تاکہ ذہنی کشمکش کے اس دور میں غالب کی سوچ کا یہ رخ واضح ہو جائے ۔ پھر اس کے حوالے سے اُن کی شاعری کا تجزیہ بھی آسانی سے ہو سکتا ہے ۔

خطوط غالب میں ایک رویہ تو حالات سے مفاہمت اور موقع کے مطابق کارروائی کرنے کا ملتا ہے جو غالب کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کو ظاہر کرتا ہے ۔ معاملے کے اس پہلو کے علاوہ خطوط غالب میں حالات و واقعات کے بارے میں وہ ذہنی رد عمل بھی ملتا ہے جس کا تعلق محض غالب کی ذات سے نہیں بلکہ ان کے اجتماعی ماحول سے تھا ۔ اس ذہنی رد عمل سے ہم غالب کے اجتماعی احساس کا اندازہ کر سکتے ہیں اور یہ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے قلب و ذہن میں اس انقلاب زمانہ پر کیا محسوس کر رہے تھے ۔

انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل کمپنی کے پنشن خوار اور شاہ کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے غالب کی روزی کا سامان بنا ہوا تھا ۔ کمپنی کی حکومت میں مغل بادشاہت کی آخری نشانی کا وجود نفسیاتی طور پر کشمکش کا ایک اہم مظہر تھا ۔ اگرچہ یہ کشمکش ایک نقطۂ ارتقا کی طرف بڑھ رہی تھی اور سوچنے والے لوگوں کے ذہن تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں ہوا کا رخ دیکھ رہے تھے ۔ خصوصاً الحاق کی پالیسی کے مطابق جس طرح دیسی ریاستیں اور موروثی امارتیں ختم کی جا رہی تھیں ، اس سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آ گئی تھی کہ

Scanned with CamScanner

4:48
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org

مغل بادشاہت کی آخری نشانی اب قلعہ معلّی میں آخری دموں پر ہے۔ ۱۸۵۶ء میں انتزاع سلطنت اودھ ایک بڑے حادثے کی طرح ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ بھی آئندہ حادثات کا پیش خیمہ تھا۔ غالب نے اس موقعہ پر جو کچھ محسوس کیا، اس کا اظہار ایک دوست کے نام خط میں اس طرح کیا:

"۔۔۔ آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے؟ اور کی فیض رسانی اور قدردانی کو کیا روئیں، اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ نے با آنکہ بیگانہ محض ہوں، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا، بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت ناانصاف ہوں گے وہ اہل ہند، جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے، اللہ ہی اللہ ہے!"

[خط بنام میر غلام حسنین قدر بلگرامی، نگاشتہ بست و سوم فروری ۱۸۵۷ء]

انقلاب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ۱۱ مئی کو برپا ہوا۔ یہ خط ۲۳ فروری کو یعنی اس واقعہ سے تقریباً ڈھائی ماہ پیشتر لکھا گیا۔ اس میں جس واقعہ (انتزاع سلطنت اودھ) پر افسردہ دلی کا اظہار کیا گیا ہے، وہ ان بے شمار واقعات میں سے ایک تھا، جو بتدریج کشمکش کو تیز تر اور انقلاب کے ہنگامے کو قریب تر لا رہے تھے۔ خود دہلی کی "بزم آخر" میں خصوصاً اس کی ٹمٹاتی ہوئی آخری شمع "قلعہ معلیٰ" میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ سب غالب کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت جس تدریج کے ساتھ اس شمع کو گل کرنے کے لیے اقدامات کر رہی تھی اور لال قلعے کے بے دست و پا تاجدار اور اس کے وابستگان دامن دولت جس بے بسی سے ان حالات کے بھاؤ

Scanned with CamScanner

غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

میں بہ رہے تھے، اس کا اندازہ اس خط سے لگائیے جو واقعۂ انقلاب سے تین برس پیشتر لکھا گیا:

"مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعہ طرحی کو کیا کیجیے گا، اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا؟ میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا، اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے، اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے اب ہی نہ ہو، اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو!"

[بنام قاضی عبدالجمیل جنون، ۱۸۵۴ع، خطوط غالب، ص ۵۲۰]

آخر وہ حادثہ پیش آ کر رہا جس کا ایک مدت سے انتظار تھا۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ع کو انقلاب کا آغاز ہوا اور کمپنی کی باغی سپاہ نے اگلے روز (۱۱ مئی) دہلی پہنچ کر مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر کے نام پر یہاں کا نظم و نسق سنبھالا۔ ستمبر ۱۸۵۷ع کے تیسرے ہفتے میں انگریزی سپاہ، سکھ لشکر کی معیت میں دوبارہ دہلی پر قابض ہوئی اور "کالوں" کے ہنگامے کے بعد "گوروں" کی انتقامی کارروائی اور قتل و غارت گری شروع ہوئی۔ اس طرح بر عظیم کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ دہلی میں مغلیہ بادشاہت کی آخری شمع بجھ گئی، اس کے ساتھ کمپنی کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے زیر سایہ آ گیا۔

یہ انقلاب عظیم غالب کی نگاہوں کے سامنے برپا ہوا۔ وہ اس خونیں ہنگامے کے عینی شاہد، بلکہ اس قلزم خون کے شناور تھے۔[1]

(۱) "میں مع زن و فرزند ہر وقت اسی شہر میں قلزم خون کا شناور رہا ہوں۔" [خط بنام چوہدری عبدالغفور سرور، ستمبر ۱۸۶۰ع]

83
231
Scanned with CamScanner

4:48
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

ہر چند کہ ہنگامۂ انقلاب کے فرو ہو جانے کے بعد روزی کی مشکلات اور پنشن کی بازیافت کے لیے غالب کو وہ سب کچھ کرنا پڑا جو ایک عام دنیا دار انسان ایسے حالات میں کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا اجتماعی احساس اس تہذیبی المیے پر خون کے آنسو بہائے بغیر بھی نہ رہ سکا۔ خون جگر کے ان قطروں کی تھوڑی سی جھلک تو اس قطعے میں ملتی ہے جو غالب نے علاءالدین علائی کے نام ایک خط (محررہ ۱۸۵۸ء) میں لکھا ہے:

بسکہ فعال ما یرید ہے آج ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک آدمی واں نہ جا سکے، یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ سوزش داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یا رب کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

اس کے علاوہ خطوط میں بھی غالب نے اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ یہ اظہار وہ برملا نہیں کر سکتے تھے۔ انگریزی دارو گیر میں صاف صاف لکھنا اور اسے ڈاک کے سپرد کرنا ممکن نہیں تھا۔¹ پھر بھی غالب نے واقعۂ انقلاب کے سلسلے میں حالات و

(۱) اس ذہنی گھٹن کا اظہار غالب کے بعض خطوں میں ہوا ہے۔ مثلاً:
''آدمی تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ خدا کرے یہاں کا حال سن لیا کرتے ہو۔ اگر جیتے رہے اور ملنا نصیب ہوا تو کہا جائے گا۔
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

84
231
Scanned with CamScanner

4:48 49
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

کوائف بیان کرتے ہوئے دبے دبے الفاظ میں اپنے تاثرات و احساسات بھی پیش کر دیے ہیں ۔ انقلاب کے بارے میں مذکورہ بالا قطعے کے علاوہ منشی ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں اس سانحۂ عظیم کو وہ جس خیال انگیز پیرائے میں بیان کرتے ہیں ، اس سے ان کے دل کی کیفیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے :

"صاحب ! تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا ؟ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت در پیش آئے ۔ شعر کہے ، دیوان جمع کیے ۔ اسی زمانے میں ایک بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے اور منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا ۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا ، نہ وہ معاملات ، نہ وہ اختلاط ، نہ وہ

ورنہ قصہ مختصر ، قصہ تمام ہوا ۔ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں اور وہ بھی کون سی خوشی کی بات ہے جو لکھوں !"

[خط بنام مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب ، ۸ فروری ۱۸۵۸ء]

"مفصل حالات لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں ۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے ۔ باز پرس اور دارو گیر میں مبتلا ہیں "

[خط بنام ہرگوپال تفتہ ، ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء]

"انصاف کرو ، لکھوں تو کیا لکھوں ؟ کچھ لکھ سکتا ہوں ؟ کچھ قابل لکھنے کے ہے ؟ تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا ؟ اور اب جو میں لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں ؟ بس اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم تم جیتے ہیں ۔ زیادہ اس سے نہ تم لکھو گے نہ میں لکھوں گا ۔"

[خط بنام حکیم غلام نجف خاں ، ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء]

"قلم ہات میں لیے پر جی بہت لکھنے کو چاہتا ہے ، مگر کچھ نہیں لکھ سکتا ۔ اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے ، تو کہہ لیں گے ، ورنہ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔"

[ایضاً ، ۱۹ جنوری ۱۸۵۸ء]

85
231
Scanned with CamScanner

4:48
غلام حسین ذو الفقار |...
rekhta.org
محاسن خطوط غالب

انبساط۔ بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے۔ یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا، اس کا جواب مجھ کو آیا اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال اور متخلص بہ تفتہ ہو، آج آیا اور میں جس شہر میں ہوں اس کا نام بھی دلی اور اس محلے کا نام بلی ماروں کا محلہ ہے۔ لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ، اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔"

[شنبہ ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء، خطوط غالب، صفحہ ۱۵۲]

اس انقلاب عظیم کو دو جنموں کی تمثیل سے بہتر انداز میں پیش کرنا غیر ممکن ہے!

دہلی اور لکھنؤ کے قدیم تہذیبی گہواروں کا مٹنا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ غالب نے اس پر کوئی باقاعدہ مرثیہ تو نہیں لکھا لیکن وہ اس تہذیبی المیے کو محسوس کیے اور مضطرب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس احساس و اضطراب کا اظہار خطوط میں جابجا ہوا ہے:

"خداوند نعمت، کیا تم دلی کو آباد اور قلعہ کو معمور اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو، جو حضرت شیخ[1] کا کلام اور صاحبزادہ قطب الدین ابن مولانا فخرالدین علیہ الرحمتہ کا حال پوچھتے ہو؟
این دفتر را گاؤ خورد، گاؤ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد۔"

[خطوط غالب، مرتبہ مہر، صفحہ ۳۰۳]

"لکھنؤ کا کیا کہنا، وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ! وہ سرکار امیر گر تھی۔ جو بے سروپا وہاں پہنچا، امیر بن گیا۔ اس باغ کی یہ فصل خزاں!" [خطوط غالب، صفحہ ۴۳۷]

---

(۱) شیخ کلیم اللہ جہان آبادی (بحوالہ خطوط غالب، مرتبہ مہر)

86
231
Scanned with CamScanner